اختر راہی

اقبال اور تاثیر

ڈاکٹر محمد دین تاثیر (م ۳۰ نومبر ۱۹۵۰ء) ان معدودے چند افراد میں سے تھے جنھیں بدوِ شعور سے علامہ اقبال کی بارگاہ میں شرفِ باریابی حاصل تھا۔ وہ ۱۹۰۲ء میں اجنالہ (ضلع امرتسر) میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے اور ان کی والدہ انھیں لاہور لے آئیں۔ میاں نظام الدین مرحوم رئیس لاہور کی نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔

میاں نظام الدین مرحوم اور ان کے خاندان کے ساتھ علامہ اقبال کے نہایت اچھے مراسم تھے۔ علامہ التزام کے ساتھ سال میں ایک دو مرتبہ ان کے ہاں جایا کرتے تھے۔[1] آموں کے موسم میں میاں صاحب، علامہ اور ان کے احباب کی دعوت کا اہتمام کرتے تھے۔ تاثیر کو ان مواقع پر علامہ سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ وہ اپنے عہدِ طفلی کی یادوں میں لکھتے ہیں:

"ان دنوں اکبر و اقبال کا مقابلہ ہوا کرتا تھا۔ علامہ اقبال ہمارے گھر کبھی کبھی آیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے سامنے جنبہ داری کے انداز میں اکبر کی مبالغہ آمیز تعریف کی تو انھوں نے میرے ذوقِ شعر کی تعریف کی۔ اس پر مجھے بڑی ندامت ہوئی۔ بڑے ہو کر جب میں نے ان سے یہ تمام واقعہ بیان کیا۔ تو وہ بہت ہنسے اور کہنے لگے کہ بھئی بڑا افسوس ہے کہ تمھاری چوٹ خالی گئی۔"[2]

تاثیر مرحوم، جن دنوں ایف۔سی کالج لاہور میں انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے۔ ان کا روزانہ

۱۔ تاثیر، اسماء الرجال اقبال، کریسنٹ (تاثیر نمبر) ص ۱۴۷

۲۔ تاثیر، میرا عہدِ طفلی، کریسنٹ (تاثیر نمبر) ص ۲۸
بیگم تاثیر کی روایت ہے کہ تاثیر کی علامہ سے پہلی ملاقات اس زمانہ میں ہوئی۔ جب تاثیر انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے۔ (روزگارِ فقیر جلد دوم، ص ۲۵) تاثیر کی اپنی روایت کے پیشِ نظر یہ درست نہیں۔

معمول تھا کہ شام علامہ کے ہاں گزارتے تھے۔[۵۳] علامہ کی مجالس میں ان کا ادبی و شعری ذوق پختہ ہوا۔ تاثیر نے انگریزی ادبیات میں ایم۔اے کیا اور ۱۹۲۶ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی کے معلم مقرر ہوئے۔

علامہ کا معرکۂ انتخاب

یہی وہ زمانہ تھا جب علامہ نے احباب کے اصرار پر لاہور کی شہری نشست سے پنجاب کی مجلس قانون ساز کا انتخاب لڑا۔ تاثیر علامہ کے چیف پبلسٹی آفیسر تھے اور اسلامیہ کالج کی بی۔اے۔ وی کلاس (جسے تاثیر صاحب پڑھاتے تھے) کے تمام طلبا نے ان کے زیر اثر خوشی سے کلرکوں کا کام کیا اور یہ کام اس خوبی سے ہوا کہ دوسرے کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔[۵۴] علامہ اس معرکۂ انتخاب میں کامیاب ہوئے۔

علامہ کی معیت میں

اسلامیہ کالج کی ملازمت میں تاثیر مرحوم اپنے آپ کو قید سا خیال کرتے تھے۔ انھوں نے علامہ کے دوست چوہدری محمد حسین کے محکمہ پریس برانچ میں ملازمت کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ (خواہش) علامہ اقبال کے توسط سے پوری ہوئی۔[۵۵] پریس برانچ میں کرنے کو تو ملازمت کر لی مگر جلد ہی اسے ترک کر دیا اور ۱۹۲۸ء میں دوبارہ اسلامیہ کالج میں آ گئے۔

یہ زمانہ برصغیر کی تاریخ میں خاصہ ہنگامہ خیز تھا۔ آریہ سماجی مصنفوں کی دریدہ دہنی اور فتنہ انگیزی سے ہندو مسلم تعلقات کشیدہ ہو چکے تھے۔ لاہور کے ایک ہندو ناشر راج پال نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ناشائستہ کتاب "رنگیلا رسول" شائع کی۔ اس کی اشاعت سے برصغیر کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ لاہور کی فضا بطور خاص مکدر تھی۔ مسلمانوں نے عدالتی چارہ جوئی کی۔ ماتحت عدالت سے سزا ملی مگر ہائی کورٹ نے ملزم کو بری کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں مزید حزن و ملال پیدا ہوا۔ آخر ایک غیرت مند نوجوان علم الدین شہید نے ۶ اپریل ۱۹۲۹ء کو سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخی کے مرتکب راج پال کو قتل کر دیا۔ علم الدین گرفتار کر لیا گیا۔ مقدمہ چلا۔ اس مقدمہ کی پیروی کے لیے مسلمانان لاہور نے ایک کمیٹی بنائی جس میں علامہ شامل تھے۔ ان کے ساتھ تاثیر نے بھی شمولیت اختیار کی۔[۵۶]

---

۵۳ روزگار فقیر جلد دوم، ص ۲۵

۵۴ محمد الدین تاثیر — عبداللہ چغتائی، کریسنٹ (تاثیر نمبر)، ص ۱۴۳ ۵۵ ایضاً، ایضاً، ص ۱۴۲

۵۶ تاثیر۔ اسماء الرجال اقبال — کریسنٹ (تاثیر نمبر)، ص ۱۵۳

اسی طرح مسلمانانِ کشمیر کی امداد کے لیے "آل انڈیا کشمیر کمیٹی" بنی جس میں علامہ پیش پیش تھے۔ تاثیر نہ صرف اس میں شریک ہوئے بلکہ اس کے بعض اجلاسوں کی روداد بھی لکھی۔[۷]

پہلا یومِ اقبال

۱۹۳۲ء میں علامہ اقبال دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت فرما کر واپس آئے تو ۶، مارچ کو اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ لاہور کے زیرِ اہتمام وائی۔ ایم۔ سی۔ اے ہال میں پہلا یوم اقبال منایا گیا۔ اس کے دوسرے اجلاس میں ڈاکٹر شانتی سروپ بھٹناگر کی صدارت میں تاثیر نے "تخیلِ اقبال کے ارتقا" پر اظہار خیال کیا۔[۸] ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم، جو اس اجلاس میں شریک تھے، ان کی تقریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"تاثیر کی تقریر مضمون اور اسلوب دونوں لحاظ سے اچھی تھی مگر اس کا سب سے نمایاں پہلو مقرر کا جارحانہ اندازِ گفتگو تھا۔ ان دنوں یار لوگوں نے خواہ مخواہ اقبال اور ٹیگور کی بحث چھیڑ رکھی تھی۔ تاثیر نے ٹیگور کا نام تو نہیں لیا تھا مگر وہ اقبال کو کچھ ایسے مبارزانہ رنگ میں پیش کر رہا تھا جیسے اکھاڑے میں کھڑا خم ٹھونک رہا ہو۔ اس کی آواز بھرے ہوئے ہال میں گونج رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے خیالی حریفوں کو للکار رہا ہے کہ لاؤ۔ نکالو اپنے پہلوان کو۔ ہم بھی دیکھیں اس کا کس بل"[۹]

اسی دور میں علامہ کی رہنمائی میں لاہور کے اہلِ علم نے ایک علمی و تعلیمی ادارہ "ادارہ معارفِ اسلامیہ لاہور" کی بنیاد رکھی۔ تاثیر اس کے ارکان میں شامل تھے۔ اپریل ۱۹۳۳ء کے اجلاس میں انھوں نے شرکت کی۔

تاثیر کے لیے سند

۱۹۳۴ء میں تاثیر پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے انگلستان روانہ ہوئے۔ علامہ نے ان کے بارے میں بطور سند جو کچھ انگریزی میں لکھا، اس کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

"مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی ہے کہ مسٹر ایم۔ ڈی تاثیر ایم۔ اے اسسٹنٹ پروفیسر آف انگلش اسلامیہ کالج (پنجاب یونیورسٹی)، لاہور، انگریزی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کے لیے کیمبرج جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

---

[۷] تاثیر، اسماء الرجال اقبال۔ کریسنٹ (تاثیر نمبر)، ص ۱۵۳۔

[۸] اوراقِ گم گشتہ، ص ۱۹۸

[۹] ممتاز حسن۔ خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود۔ کریسنٹ (تاثیر نمبر) ص ۱۵۸-۱۵۹

وہ پہلے ہی اپنے ملک کے علمی اور ادبی حلقوں میں نام پیدا کر چکے ہیں۔ ایسی غیر معمولی صلاحیتوں والا نوجوان جہاں بھی جائے گا اپنا مقام پیدا کرے گا۔

موصوف نوجوان ادیبوں کے اس ہراول دستے سے تعلق رکھتے ہیں، جو ادبی تنقید کے صحیح شعور سے بہرہ ور ہیں اور جن کی تنقید تخلیق کا درجہ رکھتی ہے۔ فائن آرٹس سے ان کی دلچسپی کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ انگریزی اور مشرقی ادب کا وسیع مطالعہ کر چکے ہیں۔

ان کی علمی قابلیت، انگریزی کی ڈگری اور آنرز کلاس کی تدریس میں ان کے تجربے اور اس کام کی نوعیت کا اندازہ کرتے ہوئے جو وہ اب تک کر چکے ہیں، وہ خصوصی سلوک کے مستحق ہیں اور انھیں اسی قسم کی جائز رعایت ملنی چاہیئے۔

یکم جولائی ۱۹۳۲ء

محمد اقبال
نائٹ پی۔ ایچ ڈی
بار ایٹ لاء۔ لاہور[۱۰]

انگلستان کے دوران قیام میں اقبال سے دلچسپی

تاثیر صاحب انگلستان میں تھے کہ "بالِ جبریل" شائع ہوئی۔ ان کے شاگرد محمود نظامی نے ایک نسخہ بھجوایا۔ ۹ر فروری ۱۹۳۵ء کے خط میں تاثیر نے انھیں لکھا:

"یہ غزل پڑھی تم نے اقبال کی؟:

مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغ چمن

اردو میں ایک انوکھا طرزِ تحریر ہے۔ پیارا، سادہ، عمیق، عجب عجب ٹکڑے ہیں صنعت گری کا کمال ہے:

ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

آخری ٹکڑا۔ "تو شہر اچھے کہ ۔ ۔ ۔ ۔ " والا زیادہ متعجب اور پُرزور اس لیے ہو جاتا ہے کہ مصرع اوّل، مصرع دوم سے ساخت میں پیوست ہے

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

---

۱۰ کریسنٹ (تاثیر نمبر) حصہ انگریزی۔ ص ۵۶ — MEMENTOS OF IQBAL، ص ۱۲۵

ساری غزل معجزانی ہے۔ آخری شعر نفسیاتی اعتبار سے ڈرامائی ہے جس سے تمام غزل چمک اٹھی ہے۔ اس میں ایک ایسے خیال کی تردید ہے جو ماقبل لفظوں میں ظاہر نہیں ہوتا مگر لازماً موجود ہے اور اسی تردید سے اس کا بیان بھی ہو جاتا ہے اور رد بھی۔

اقبال من کی دنیا کو بے نیاز اور برتر از ماحول کہے جا رہا ہے جس سے لازماً خیال پیدا ہوتا ہے کہ پھر غلام بھی آزاد ہوا۔ من کی دنیا کا مالک ہو سکتا ہے۔ مگر جب قلندر یہ کہتا ہے کہ:

تو جھکا جب غیر کے آگے تو من تیرا نہ تن

تو ندامت سے پانی پانی کر دیتا ہے۔

غزل کے پہلے اشعار میں پس منظر کس قدر پیارا ہے۔ اور پھر ذرا "پریاں قطار اندر قطار" پر غور کرو۔ لفظاً اور معناً اقبال کے کلام میں ایک نیا رنگ نظر آتا ہے۔ یہ غزل بار بار پڑھنے کی چیز ہے اُسے بار بار پڑھو۔"[11]

۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"۶ اپریل کو بصدارت سر عبدالقادر ایک لیکچر دے رہا ہوں۔ علامہ اقبال کی شاعری پر ..... ناخن جبریل کب نکل رہا ہے۔ دو مہینے ہوئے علامہ نے لکھا تھا کہ وہ زمانۂ حاضر کے خلاف اعلانِ جنگ چھاپ رہے ہیں وہی ہوگا۔[12] اس پر وہ آزادی سے محروم نہیں ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ کتاب ممنوع ہوگی۔"[13]

اس عرصہ میں علامہ سے تاثیر کی جو خط و کتابت ہوئی افسوس وہ محفوظ نہیں۔ صرف علامہ کا ایک خط ملتا ہے جس میں جاوید اقبال کے لیے "الف لیلہ" کا نسخہ بھیجنے پر شکریہ ادا کیا ہے۔ اپنی علمی و ادبی مصروفیات کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں:

"جب آں (نواب صاحب بھوپال) کو سر راس مسعود سے معلوم ہوا کہ میں ایک کتاب مقدمۃ القرآن

---

۱۱ محمود نظامی، عزیزم کے نام — ص ۱۵۹-۱۶۰

۱۲ "ضربِ کلیم" کا ذکر ہے جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔

۱۳ تاثیر، خطوطِ تاثیر — کریسنٹ (تاثیر نمبر) ص ۸۳

۱۴ "انوار اقبال" میں اس خط پر تاریخ ۲۲ جولائی ۳۰ء درج ہے جو درست نہیں صحیح تاریخ غالباً ۲۲ جولائی ۱۹۳۵ء ہے۔

لکھنا چاہتا ہوں۔ تو اس ارادے کی تکمیل کے لیے مجھے انھوں نے تاحیات پانچ سو روپیہ ماہوار کی لٹریری پنشن عطا فرمائی ہے۔ آپ کو شاید اس کا علم اخباروں سے ہو گیا ہوگا۔ اب ذرا صحت اچھی ہو لے تو انشاءاللہ اس کتاب کو لکھنا شروع کروں گا۔ اسی سال کے دوران میں امید ہے صورِ اسرافیل[15] بھی ختم ہو جائے گی۔ پھر کچھ مدت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دوں گا[16]

اسی خط کے حاشیے پر لکھتے ہیں:

"آپ نے ارادہ کیا تھا کہ جاوید نامہ پر لکچر دیں گے۔ وہ لکچر لکھا گیا یا ابھی تک معرضِ التوا میں ہے لکھا جائے تو ایک کاپی ضرور ارسال کیجیے۔"

تاثیر کا نکاح

انگلستان سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر ۱۹۳۶ء میں تاثیر صاحب واپس آئے۔ ۱۱ اکتوبر کو لاہور میں تاثیر صاحب کی شادی ایک انگریز خاتون کرسٹابل سے ہوئی۔ علامہ نے شادی میں پوری دلچسپی لی۔ اسلامی طریقے پر دوسرے گواہوں کے ساتھ کاغذات پر دستخط کیے اور خود خطبہ نکاح پڑھا۔ بیگم تاثیر کی روایت ہے کہ:

"وہ ڈاکٹر صاحب علالت کے سبب چل پھر نہ سکتے تھے لیکن وقت مقررہ پر علالت اور نقاہت کے باوجود بکمال شفقت ہماری قیام گاہ پر تشریف لائے۔"[17]

نکاح نامہ کا متن علامہ نے لکھا تھا جس کا عکس اور اردو ترجمہ فقیر سید وحید الدین نے "روزگار فقیر" میں شائع کیا ہے۔

اقبال کی یادیں

تاثیر مرحوم ماضی قریب کے ان اہلِ علم میں سے تھے جنھیں مشرقی اور مغربی علوم سے یکساں دلچسپی تھی۔ ان کی دلچسپیاں علم و ادب کے کسی ایک شعبہ تک محدود نہ تھیں۔ ادب ہو یا سیاست، نظم ہو یا نثر، فلسفہ ہو یا مصوری و موسیقی، طبیعیات کے مسائل ہوں یا مابعد الطبیعات کے، ان کی طبیعت اور قلم کہیں بند نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریریں بڑی متفرق اور منتشر قسم کی ہیں (جو مجلس ترقی ادب لاہور شائع کر رہی ہے)۔

---

۱۵ غالباً "ضربِ کلیم" کی طرف اشارہ ہے۔

۱۶ انوارِ اقبال، ص ۲۰۶-۲۰۷

۱۷ روزگارِ فقیر جلد دوم، ص ۲۹

موصوف نثر نگار تھے اور شاعر بھی۔ نثر میں تاریخ، عمرانیات، فلسفہ، لسانیات، مصوری اور ادب ہر موضوع پر لکھا ہے۔ شاعری میں مختلف کوچوں کے سیاح تھے۔ غزل، قطعہ، رباعی کی روایتی اصناف ہوں یا آزاد نظم اور گیت۔ سب ہی ان کے حیطۂ قلم میں تھے۔ علامہ اقبال سے ان کے تعلق خاطر کے پیش نظر عقیدت مندانِ اقبال کی یہ خواہش تھی کہ وہ علامہ کے فکر و فلسفہ پر قلم اٹھائیں۔ ڈاکٹر ممتاز حسن مرحوم نے ان سے اسی خواہش کا اظہار کیا تو کہنے لگے :

"یہ مضمون اتنا وسیع ہے کہ اس کا سمیٹنا کارے دارد"[۱۸]

تاہم تاثیر صاحب نے علامہ کے فکر و فلسفہ اور شخصیت پر چند مضامین لکھے ہیں۔ ان مضامین میں انہوں نے علامہ کے ساتھ بیتے ہوئے دنوں کو یاد کیا ہے۔ ایک مضمون "اسماء الرجال اقبال" میں لکھتے ہیں :

"ملک محمد دین مرحوم حضرت علامہ کے محبانِ خاص میں سے تھے اور جب یہ دو بزرگ صوفیائے کرام کی کرامتوں کا ذکر کرتے تھے تو گھنٹوں اس کے علاوہ اور کوئی ذکر نہ ہوتا تھا۔ میں ذرا گستاخ تھا۔ مجھے مسکراتا دیکھ کر دونوں بزرگ میری جوانی کو میری خامی کی وجہ قرار دیتے اور ایک بار اس خامی کو دور کرنے کے لیے حضرت علامہ مجھے ایک پیر صاحب کے پاس لے گئے۔ ان پیر صاحب کا سرہند شریف سے تعلق تھا۔ اقبال پیروں فقیروں کے ملنے والوں میں سے تھے اور پیر فقیر ان سے ملتے تھے"[۱۹]

ایک دوسرے مضمون "ایک فیضانی لمحے کی یاد" میں علامہ کی ایک غزل کی شانِ نزول بیان فرمائی ہے۔ مجلہ "کاروان" کے لیے علامہ کی کوئی تخلیق حاصل کرنے کے لیے مصورِ مشرق عبدالرحمان چغتائی اور ان کے دو بھائیوں کے ساتھ علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علامہ کے پاس کوئی غیر مطبوعہ نئی نظم یا غزل موجود نہ تھی۔ ان حضرات کا اصرار بڑھتا گیا آخر ایک غزل ہو گئی۔ تاثیر صاحب لکھتے ہیں :

"حضرت علامہ نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ تم اس وفد کے سرغنہ ہو اور شاعر ہو۔ اپنے اشعار سناؤ۔ شاید طبیعت کو بہانہ مل جائے ..... میں نے جی کڑا کر کے (ایک غزل کا) مطلع پڑھا۔ پھر دوسرا شعر علامہ

---

۱۸ ممتاز حسن، خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود ۔ کریسنٹ (تاثیر نمبر)، ص ۱۵۷

۱۹ تاثیر: اسماء الرجال اقبال ۔ کریسنٹ (تاثیر نمبر)، ص ۵۴

اقبال اس کا ایک مصرع :

تم کو اپنی زندگی کا آسرا سمجھا تھا میں

دہرانے لگے ۔ مجھے کچھ تسکین ہوئی ۔ آخری شعر پر مجھے خود یقین تھا :

زلف آوارہ ، گریباں چاک اے مست شباب　　　تیری صورت سے تجھے درد آشنا سمجھا تھا میں

حضرت علامہ کو بھی پسند آیا ۔ کہنے لگے زمین اچھی ہے ۔ خدا کا قافیہ کیوں چھوڑ دیا ؟ اور کچھ چپ سے ہو گئے ۔ فکرِ شعر میں سر جھکا لیا ۔ ہماری امیدیں بلند ہو گئیں مگر مجھے ایک اور فکر لاحق ہو گیا ۔ میری غزل اچھی تھی بہت اچھی تھی لیکن حضرت علامہ نے اس پر کچھ کہہ دیا تو قدر عافیت معلوم ۔ بے حیثیت ہو کر رہ جائے گی ۔ ہاں اردو ادب اور " کاروان " دولت مند ہو جائیں گے ۔ میرے دماغ میں یہ کشمکش جاری تھی کہ حضرت علامہ بولے اگر قافیہ بدل جائے تو ؟ میں فوراً بولا تو بہتر ہو گا اور اطمینان کا سانس لیا ۔ حضرت علامہ کہنے لگے تو سنو ۔ تم غزل غزل پکار رہے تھے تو غزل ہی سہی :

عرصہ محشر میں میری خوب رسوائی ہوئی　　　داورِ محشر کو اپنا رازداں سمجھا تھا میں

یہ شعر کہہ کر علامہ اقبال کچھ رکے ۔ دو تین منٹ تک اور پھر یہ عالت تھی کہ میں نقل نہیں کر سکتا تھا کہ ایک اور شعر تیار ہوتا ۔ دوسرا شعر جاوید نامہ کی کیفیات کا حامل تھا :

مہر و ماہ و مشتری کو ہم عناں سمجھا تھا میں

جوں جوں شعر ہوتے جاتے ۔ علامہ کی حالت بدلتی جاتی ۔ بستر ہی میں اُٹھ کر پاؤں کے بل بیٹھ گئے ۔ آواز میں لرزش سی آ گئی ۔ جھوم جھوم کر داہنے ہاتھ کی سبابہ سے اشارہ کرتے تھے اور اس شعر پر :

تھی وہ اک درماندہ رہرو کی صدائے دردناک　　　جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

وہ بھی رو رہے تھے اور ہم بھی ۔ نہ جانے یہ غزل کتنی لمبی ہو جاتی مگر یہ فیضانی سلسلہ ایک اجنبی ملاقاتی کی آمد سے منقطع ہو گیا اور ہم اِس درانداز کو دل ہی دل میں کوستے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے ۔ "[۵۲]

فکر و فنِ اقبال

تاثیر صاحب کو علامہ کے کلام سے دلچسپی تھی اور بطورِ خاص پیام مشرق اور بالِ جبریل کو زندۂ ادبی

---

[۵۲] تاثیر ، ایک فیضانی لمحے کی یاد ۔ مشمولہ ملفوظاتِ اقبال ، ص ۱۴۶ - ۱۴۷

خیال کرتے تھے۔ دورِ جدید میں غزل کے مستقبل پر لکھتے ہیں :

"دورِ جدید میں غزل کی صلاحیتوں کی نمائندگی اقبال کرتے ہیں ..... اقبال کی غزلیں انسان کو خوابِ غفلت سے جگا کر عمل پر آمادہ کرتی ہیں۔ شاعر نے نئے موضوعات، مضامین اور تصورات سے جو ایک نئی قوم یعنی ملتِ پاکستان کی خواہشوں، تمناؤں اور مقاصد کی عکاسی کرتے ہیں، غزل کی قدیم صنف میں ایک نئی روح پھونک دی ہے۔ یہاں تک کہ گھسے پٹے استعارات میں بھی نئی توانائی پیدا کر دی ہے۔ گل و بلبل، ساقی و شراب خانہ، صیاد و غزال دیکھنے میں تو وہی ہیں لیکن ان میں ایک نئی معنویت پیدا ہو گئی ہے۔ اس طرح اقبال نے ہماری ساری شاعری کا نظامِ اقدار ہی بدل ڈالا ہے۔ انھوں نے اس میں نئی معنویت کی جوت جگائی ہے۔ کیا خوب فرماتے ہیں :

دگرگوں ہے جہاں تاروں کی گردش تیز ہے ساقی دل ہر ذرہ میں غوغائے رستاخیز ہے ساقی

یہاں مجرد قافیہ ۔ تیز، رستاخیز، تبریز پہ مبنی ہیئت غزل کی مخصوص وضع کی آئینہ دار ہے۔ شعر کی ردیف یعنی مکرر آنے والے معین الفاظ "ہے ساقی" آہنگ نازک اور قافیہ کے مقابلہ میں نسبتاً مدہم ہے۔ ہر شعر اپنی جگہ مکمل ہے، جامع ہے لیکن ساری غزل کا تاثر ایک ہی ہے ۔ ندرت، ندرت اور تکرار۔ سحرِ کلام کے سب ہی عناصر موجود ہیں جو دل پر ایک گہرا پائیدار نقش چھوڑتے ہیں۔ ساقی کا فرسودہ استعارہ کسی اور ہی مقصد کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر اس مے کا متلاشی ہے جس سے دل و دماغ نشے میں ڈوب کر رہ جائیں۔ وہ اشرافی دور کے ان جانکاہ امراض کو نیست و نابود کرنے کا خواہاں ہے جو صدہا سال سے مسلمانانِ شرق کے زوال و انحطاط کا باعث رہے ہیں۔ اب ہم دورِ انقلاب میں داخل ہو چکے ہیں۔ ہمارے سامنے عظیم الشان امکانات کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔ آیئے قرونِ وسطیٰ کے اسلام سے ایمان و ہیجان کا بادۂ سرجوش نوش کریں۔ یہ ہے اقبال کا حیات افروز پیغام"[۱۲۵]

تاثیر نے خود بھی اقبال کا اثر قبول کیا ہے۔ یوں تو تاثیر کی شاعری کا بڑا حصّہ ہیئت کے اعتبار سے کلامِ اقبال کی ہیئت سے دور ہے تاہم غزلوں میں اقبالی اثر محسوس ہوتا ہے۔ تاثیر کی غزل کے چند اشعار ہیں :

کس نے کب کس پہ کیا ظلم یہ قصہ کیا ہے؟ تم اگر بھول گئے ہو تو مجھے یاد نہیں؟

---

۱۲۵ "ماہِ نو" (کراچی)، شمارہ نومبر ۱۹۵۸ء

کوئی بجلی نہیں، گلچیں نہیں، صیاد نہیں
یہ گلستاں ہے کہ زنداں ہے کہ صحرا، کیا ہے؟
اور رودادِ محبت مجھے کچھ یاد نہیں
اک نظر، ایک چمکتا ہوا آنسو سرِ بزم

تیسرے شعر پر علامہ کے اس شعر کا نمایاں اثر محسوس ہوتا ہے:

بہر پیمانِ محبت نیز سوگندِ دگر
یک نگاہ، یک خندۂ دزدیدہ، یک تابندہ اشک

ڈاکٹر تاثیر ۱۹۴۴ء کے ایک خط میں جناب ایس۔ اے۔ رحمان کو لکھتے ہیں:

دورِ حاضر کے شعرا میں اقبال کا رنگ نہ ہونا قابلِ توجہ اور معیوب ہے کیونکہ شاعر جس فضا جس ماحول کا ترجمان ہے۔ وہ ماحول اقبالی ہے۔

ہستم اگر میروم، گر نہ روم نیستم[۲۲] کی تفسیر ضروری ہے اور آپ نے خوب حقِ تفسیر ادا کیا۔ میں یہاں لوگوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے لکھ رہا ہوں جو کہتے ہیں اقبال کا تتبع مزاجِ شاعری کے خلاف ہے۔ آپ اور میں تو اقبالی مجرم ہیں۔[۲۳]

نیز تاثیر کی رائے میں:

"اقبال بھی ہر زندہ جاوید شاعر کی طرح شاعرِ امروز ہی تھا مگر اس کا امروز نسلِ انسانی کی تاریخ میں دیر تک عہدِ فردا رہے گا"[۲۴]

تاثیر نے اقبال کے فکر و فلسفہ کا اظہار مضامین کے علاوہ نظم "پیامِ اقبال" میں "شاعر اور اقبال" کے مکالمے کی صورت میں بھی کیا ہے:

شاعر

عقل کے پیچ و تاب میں غرق سفینۂ حیات
موت تو خیر موت تھی آج حیات ہے ممات
سو گئے سب فسانہ گو، کھو گئے راہ، راہرو
رات کو دن نہ کر سکے دن کو بنا دیا ہے رات

---

۲۲ جناب ایس۔ اے۔ رحمان کی ایک نظم کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے تاثیر کو ایک خط کے ساتھ بھیجی تھی۔
۲۳ ایس۔ اے۔ رحمان، یادِ تاثیر، کریسنٹ (تاثیر نمبر) ص ۳۹ ۲۴ کریسنٹ (تاثیر نمبر)، ص ۴۷

حُسن کی بارگاہ میں آنکھ ہے ناصبور ابھی
قلب ہے بے حضور ابھی، ذات ابھی ہے بے صفات
عشق نہیں ہوس سہی، نور نہیں تو آگ ہو
کچھ تو ہما ہمی رہے، سُست ہے نبض کائنات

اقبال

یہ تو نظر کے پاس ہے یہ نہیں تیری کائنات
یہ جو خرد کا وہم ہے یہ نہیں حدِ ممکنات
آج کے غم کو بھول جا، کل کی امید چھوڑ دے
تیرا زماں بھی بے ثبات، تیرا امکاں بھی بے ثبات
وصل ہے شوق کا زوال، رہزنِ رہ منزلیں
تیرا قیام بے سکوں، تیرا سفر تیری حیات
راہ بھی راہبر بھی تو، نقش بھی نقش گر بھی تو
تجھ سے شہودِ بینات، تجھ سے وجودِ ممکنات
شاخِ نہالِ سدرۃ، خار و خسِ چمن مشو
منکرِ او اگر شدی، منکرِ خویشتن مشو"[۲۵]

---

[۲۵] آتش کدہ، ص ۱۰۹ - ۱۱۰